وحی اور نزولِ قرآن کی حقیقت

حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ

وحی کے معنے اَلْاِشَارَۃُ السَّرِیْعَۃ۔ یعنی اشارہ سے جلد سمجھنا۔ یا اَلْاِعْلَامُ فِیْ خِفَاءٍ۔ (فتح الباری ابتداء جلد اول) یعنی دوسرے کو پوشیدہ طور پر کچھ بتلانا۔ یہ وحی کے لغوی معنی ہیں۔ شرعی معنی الاعلام بالشرع یعنی صرف شرعی احکام بتلانے کا نام وحی ہے۔ وحی لغوی کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ فطری ۲۔ ایجادی ۳۔ عرفانی

۱۔ فطری | فطری جیسے الہام الٰہی سے شہد کی مکھیاں چھتہ بنا کر اس میں شہد جمع کرتی ہیں۔ اسی طرح دیگر حیوانات کے کارنامے بھی اسی قسم کی وحی حیوانات سے مختص ہیں۔ قرآن میں ہے:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا ط (النحل: آیۃ ۶۸)

ہم نے شہد کی مکھیوں کو وحی فطری سے بتلایا کہ تم پہاڑوں میں اپنے لئے چھتہ بناؤ۔

۲۔ ایجادی | جیسے یورپ کے سائنس دان ایک چیز کی ایجاد کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور اس کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ تو اس مطلوب چیز کی صورت اور نقشہ خالق کائنات کیطرف سے انکے ذہنوں پر فائض ہوتا ہے۔ اور چیز وجود میں آتی ہے۔ مثلاً پہلا شخص جس نے ہوائی جہاز بنانا چاہا، تو اس نے چونکہ قبل از ایجاد ہوائی جہاز نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے اس نے ابتداء میں ایک اوپر کو اڑجانے والی چیز کے اجمالی تخیل کو مقصد بنا کر کام شروع کیا، اور اپنا ذہن اس کی طرف متوجہ کیا۔ بار بار کے تجربے کی تکلیف اٹھائی، یہاں تک کہ قدرتِ الٰہی نے ہوائی جہاز کا مکمل نقشہ اس کے ذہن میں ڈالا۔ موجد کا کام ذہن متوجہ کرنا تھا، خدا کا کام مطلوبہ چیز کا نقشہ ڈالنا۔ یہی وہ وحی والہام ہے جو عام انسانوں کو ہوتا ہے۔ چاہے غیر مومن ہو۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ؕ (بنی اسرائیل آیۃ ۲۰) یعنی مومن اور غیر مومن دونوں جب کوشش کرتے ہیں تو ہم اُن کو مدد دیتے ہیں تیرے خدا کی بخشش و فیض کسی سے بند نہیں۔

یہی وحی عام انسانوں سے مختص ہے چاہے کافر ہو۔

۳۔ عرفانی | تیسری قسم عرفانی ہے جو اولیاء سے مختص ہے کہ جب کوئی ولی اتباعِ شریعت اور ریاضت سے تزکیہ قلب حاصل کر لیتا ہے۔ تو اس پر خاص علوم، الہام کی راہ سے فائض ہوتے ہیں جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے :-

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (عنکبوت آیۃ ۶۹) جو لوگ راہِ دین اور اطاعت میں مجاہدہ کرتے ہیں تو ہم ان پر ہدایت کی خاص راہیں کھول دیتے ہیں۔ ...

یہ ہدایت معارفِ الہامیہ سے ہے جو عام ہدایتِ ایمانی کے علاوہ ہیں۔ کیونکہ ایمانی ہدایت تو مجاہدہ کرنے والے کو پہلے سے حاصل ہے۔ یہ وحی یا الہام اولیاء سے مختص ہیں اور یہ تینوں قسمیں باوجود فرقِ مراتب کے لغوی اور عام معنی میں وحی ہے۔ جو غیر انبیاء علیہم السلام میں پائی جاتی ہیں۔ خواہ حیوان ہو یا انسان، یا اولیاء۔

وحی شرعی

چوتھی قسم وحی شرعی ہے جو صرف انبیاء علیہم السلام سے مختص ہے۔ اگرچہ ہر نبی ولی بھی ہوتا ہے۔ اس لئے وحی عرفانی سے بھی موصوف ہے۔ لیکن نبی کی وحی عرفانی بھی وحی شرعی کی قسم ہے۔ جو قانونی حقیقت رکھتی ہے لیکن ولی کا الہام قانونی حیثیت نہیں رکھتا۔ کتبِ کلام کا عام مسئلہ ہے ؛

وَالْاِلْهَامُ لَيْسَ بِحُجَّةٍ عِنْدَ الشَّرْعِ ولی کا الہام شرعی قانون نہیں بن سکتا۔

وحی شرعی کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے بواسطہ ملک یا براہِ راست خواب یا بیداری میں الٰہی ہدایت الفاظ کی شکل میں نبی کی ذات میں منتقل ہو جائے۔ اسی حقیقت کو وحی شرعی کہا جاتا ہے۔ اور یہی نبوت کی روح ہے۔ اس تعبیر میں وحی کی وہ تمام شکلیں آجاتی ہیں جو اتقان جلد ۱ صـ۴۴ میں مذکور ہیں۔ وحی اور نبوت کی یہ حقیقت جو آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء پر ختم ہوئی۔ کوئی خلافِ عقل یا ناممکن چیز نہیں اور نہ دنیا کا کوئی فلسفہ اس کی تردید کر سکتا ہے۔ انسان جو خدا کے مقابلہ میں ہر لحاظ سے

ہیچ ہے وہ ایک بیجان آلہ (ٹیپ ریکارڈر) کے ذریعے الفاظ منتقل کر سکتا ہے۔ اور روزانہ ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ تو کیا خالق انسان اور خالق عالم کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی بیجان آلہ میں نہیں بلکہ ایک مقدس انسان میں الفاظ وحی منتقل کر سکے۔

وحی نبوت | جدید علمی تحقیق کی رو سے بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جو ہم منکرین وحی کی تسکین قلب کے لئے پیش کرتے ہیں۔ صاحب مناہل العرفان نے جلد ۱ صـ ۵۹ یا صـ ۶۱ میں پہلے تنویم مقناطیسی جو مسمریزم کی ایک قسم ہے۔ اس کے ایک جرمن ماہر ڈاکٹر (مسمر) کے بیشمار تجربات سے چند ثابت شدہ اصولوں کو پیش کیا ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک اکمل ترین انسان کے لئے عام عقل کے علاوہ ایک باطنی بلند تر عقل ہوتی ہے کہ اسی عقل باطنی سے وہ عالم محسوس کے علاوہ عالم غیب سے تعلق پیدا کرتی ہے جس سے وہ الفاظ اور معلومات حاصل کر لیتی ہے اور عالم غیب سے ایسے امور بیان کرتی ہے۔ جو مادی عالم میں نہیں، لیکن وہ بالکل درست ہوتی ہے۔ اس کے بعد مناہل العرفان کے مصنف نے مصر میں اپنا چشم دید واقعہ ذکر کیا ہے۔ کہ عیسائی مبلغین نے تنویم مقناطیسی کے ذریعے تبلیغ مسیحیت کے لئے مخصوص شخص پر جو ان کی نظر میں عامل کے ساتھ مناسبت رکھتا تھا اثر ڈالنا شروع کیا جس کی وجہ سے عامل یعنی اثر انداز نے معمول کو ـــ یعنی جس پر اثر ڈالنا مقصود تھا ـــ نیم بیہوش کر دیا۔ اور اس سے باتیں شروع کیں کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا اصلی نام بتلایا۔ عامل نے اپنی روح کی توجہ سے اس میں یہ اثر پیدا کیا کہ تمہارا نام فلاں ہے، یعنی اصلی نام کی بجائے مصنوعی نام بتلایا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ معمول اصلی حالت پر آیا، تو اس نے وہی مصنوعی نام بتلانا شروع کیا اور اپنے اصلی نام سے انکار کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ ایک مخلوق انسان اپنی (دوسرے مخلوق انسان) روح میں اپنے الفاظ کو راسخ اور مضبوط طور پر منتقل کرنے کی قوت حاصل کر سکتا ہے۔ اور ایک انسانی روح کی دوسری انسانی روح پر اثر اندازی ہو سکتی ہے۔ تو کیا خالق کائنات مخلوق میں خود یا بتوسط ملک اور جبرائیلؑ، جو لاکھوں انسانوں سے قوی تر ہے کسی مخصوص اور ممتاز شخصیت (نبی) میں الفاظ وحی منتقل نہیں کر سکتا؟ یہی وہ جدید علمی تحقیق ہے جس نے منکرین وحی کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔ اور ان میں بڑی تعداد ماوراء مادہ یعنی روحانی اثرات کی قائل ہو گئی ہے۔ مزید تحقیق دائرۃ المعارف فرید وجدی بحث روح میں ملاحظہ فرمائیں۔ اب یہ مسئلہ شک و شبہ سے بالاتر سمجھا جاتا ہے۔ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ط (خاتمہ سورہ فصلت میں) ہم ان منکرین کو دکھائیں گے۔ بیرونی جہالت میں اور خود انسان کی روح میں دلائل قدرت کہ ان پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ وحی و نبوت محمدی حق ہے۔

نزولِ قرآن

نزول لغتِ عرب میں کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ کسی جسم کا مکان میں ٹھہرنا جیسے:

نَزَلَ الْاَمِیْرُ الْمَدِیْنَۃَ۔ یعنی امیر نے شہر میں قیام کیا۔

رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبَارَکًا۔ ط (سورۃ مؤمن آیۃ: ۲۸) اے میرے رب مجھے برکت والی جگہ میں ٹھہراؤ۔

۲۔ کسی جسم کے اوپر سے نیچی جگہ میں اترنا، جیسے:

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبَارَکًا۔ ط ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا ہے۔

قرآن حکیم کے الفاظ جسمیہ اور مکانیت سے منزّہ ہے۔ لہذا نزولِ قرآن سے اعلام مراد ہے یعنی خدا کی طرف سے بواسطۂ ملک رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو الفاظِ قرآن بتلانے کا نام نزولِ قرآن ہے۔ اور اس تعبیر میں قرآن کی عظمت و شان بتلانا مقصود[1] ہے۔ کہ انسان کے پاس ایک بلند مقام کی چیز آگئی ہے۔ یا قرآن پر نزول کا اطلاق قرآن کے لانے والے ملک یعنی جبرئیل کے اعتبار سے ہے کہ وہ بلند مقام سے زمین پر اترا اور اس کا یہ نزول بالواسطہ قرآن کا بھی نزول ہے۔

۳۔ تیسرا معنیٰ نزول کا یہ بھی ہے کہ خود ایک چیز اوپر سے نیچے نہیں آئی۔ لیکن اس کے اسباب عالمِ بالا سے متعلق ہوں، خواہ ارادۂ الٰہیہ ہو یا آسمانی تاثیرات۔ اس اعتبار سے لوہے، مویشیوں اور انسانی لباس اور پوشاک پر بھی قرآن حکیم میں نزول کا لفظ استعمال ہوا۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ ط (الحدید آیۃ: ۲۵) ہم نے لوہے کو اتارا جس سے جنگ کے ہتھیار بھی بنتے ہیں۔ اور دیگر فائدہ مند چیزیں بھی ...

وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ۔ ط ہم نے تمہارے فائدے کے لئے مویشیوں کے آٹھ جوڑے اتارے ہیں۔

اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ۔ ط (الاعراف آیۃ: ۲۶) ہم نے لباس اتارے جو تمہارے بدن پر ہو کر تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانکیں۔

---

[1] مناہل جلد ۱ صفحہ ۴۲

ان تینوں چیزوں کے اسباب سماوی ہیں۔ اس لئے ان کے لئے بھی نزول کا لفظ استعمال ہوا۔ نزول سے پھر دو لفظ مزید بنتے ہیں۔ انزال اور تنزیل۔ تنزیل تدریجاً مختلف اوقات میں اتاری ہوئی چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور انزال کا لفظ عام ہے۔ خواہ کوئی چیز یکبارگی اور دفعۃً اتاری جائے یا آہستہ آہستہ تدریجاً۔ چنانچہ عذاب کے لئے بھی انزال کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جیسے:

إِنَّا مُنزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ۔ (عنکبوت آیۃ: ۳۴) ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب اتارنے والے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ عذاب کا نزول دفعۃً ہوا، اور قرآن جس کا اتارنا تدریجاً ہوا۔ اس کے لئے بھی نزول استعمال ہوا ہے۔ جیسے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ [1] (کہف آیۃ: ۱) سب خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی۔

قرآن کے تین تنزلات

نزولِ اول | بارگاہِ خداوندی سے لوحِ محفوظ میں اس نزول کا قرآن کی اس آیت میں ذکر ہے
بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ۔ (البروج آیۃ: ۲۱-۲۲)

نزولِ دوم | لوحِ محفوظ سے سماء الدنیا کے مقام بیت العزۃ میں۔ یہ نزول سورۂ دخان، سورۂ قدر اور سورۂ بقرہ میں مذکور ہے۔ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ [2] إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ [3] شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ [4] یہ دونوں نزول مجموعی شکل میں یکبارگی اور دفعۃً ہوئے مذکورہ آیات میں تعارض نہیں کیونکہ لیلۃ مبارکہ اور لیلۃ القدر ایک ہے۔ اور وہ رمضان المبارک میں ہے۔ لہٰذا بیت العزۃ میں رمضان کے مہینے میں قرآن لیلۃ المبارکہ یا لیلۃ القدر میں اتارا گیا۔ اسی نزول کو صراحت کے ساتھ ابن عباس نے مستدرک حاکم میں اور اسی طرح نسائی اور بیہقی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے۔

نزولِ سوم | بواسطۂ جبرئیل قلبِ نبوی پر ہوا۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ [5] یہ نزول تقریباً تئیس سال میں مکمل ہوا۔ اور

---

[1] مفردات راغب ص۵۰۹ [2] دخان آیۃ ۳ [3] القدر آیۃ ۱ [4] البقرۃ آیۃ ۱۸۵
[5] الشعراء آیۃ ۱۹۳ تا ۱۹۵

قلب سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ معانی القرآن کا نزول ہوا ہوگا، بلکہ الفاظِ قرآن کا نزول تھا۔ اس لئے آیت مذکور میں قلب کے بعد یہ تصریح کی گئی ہے۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ۔ جس میں الفاظ کے نزول کو لسانِ عربی کہہ کر واضح کیا گیا ہے۔ قرآن کا دوبارہ دفعی نزول ہوا۔ اول لوحِ محفوظ میں اور دوم سماء الدنیا کی بیت العزت میں، سوم بار تدریجی نزول حضور پر ہوا۔ بخلاف دیگر کتب سماوی کے کہ ان کا نزول صرف ایک بار دفعتہً کتابی شکل میں ہوا۔ قرآن کے لئے دونوں نزول جمع ہوئے جس کی حکمت آسمان کے ملائکہ کو قرآن کی آخری کتاب ہونے کی تعلیم تھی، یا سماء دنیا لانے میں حضورؐ کے اشتیاق کو بڑھانا مقصود تھا کہ محبوب چیز کے قریب ہونے سے شوق میں اضافہ ہوتا ہے۔ یا کمالِ حفاظت اور شک و شبہ کا ازالہ مقصود تھا۔[1]

احقر کا خیال ہے کہ آخری کتاب ہونے کی وجہ سے اس کتاب کی حفاظت کا مکمل انتظام مقصود تھا۔ ایک بار انتظامِ عمومی کی صورت میں قرآن کو لوحِ محفوظ میں محفوظ کیا گیا۔ جو حکومتِ الٰہیہ کا مرکزی محافظ خانہ ہے۔ دوسری مرتبہ بیت العزت میں سماوی حفاظت کا انتظام کیا گیا۔ تیسری مرتبہ حضورؐ کے قلبِ اطہر پر نازل فرما کر آپ کے قلبِ مبارک میں ارضی حفاظتِ قرآن کا انتظام کیا گیا۔ پھر امتِ محمدیہ کے قلوب کو قرآن کی طرف مائل کر کے، چہارم مرتبہ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ[2] کے وعدہ کے مطابق امت کے سینوں میں حفاظتِ قرآن کا انتظام ہوا۔ بعدہٗ ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان کو آمادہ کر کے تحریری صورت میں پانچویں بار حفاظتی انتظام عمل میں لایا گیا۔

جبرائیل نے قرآنی الفاظ کیسے حاصل کئے

اس میں صحیح قول یہ ہے کہ جبرائیل نے الفاظِ قرآن کو اللہ جل جلالہ سے سن کر حاصل کیا جیسے بیہقی نے إِنَّا أَنزَلْنَاهُ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے۔ اس کی مؤید طبرانی کی حدیث ہے، جو نواس بن سمعان سے مرفوعاً اس نے نقل کی ہے۔

إِذَا تَكَلَّمَ اللّٰهُ بِالْوَحْيِ أَخَذَتِ السَّمَاءَ	یعنی جب اللہ تعالیٰ وحی کے ساتھ کلام کرتا
رَجْفَةٌ شَدِيدَةٌ مِّنْ خَوْفِ اللّٰهِ	ہے تو آسمان خوفِ خداوندی سے کانپ
فَإِذَا سَمِعَ أَهْلُ السَّمَاءِ صَعِقُوا	جاتا ہے اور جب آسمان کے فرشتے سنتے ہیں تو

---

[1] مناہل العرفان جلد ۱ ص ۳۶ تا ص ۴۴ [2] الحجر آیۃ ۹

وَخَرُّوا سُجَّدًا فَيَكُونُ أَوَّلَهُمْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ جِبْرِيلُ فَيُكَلِّمُهُ اللّٰهُ بِوَحْيِهِ مَا أَرَادَ فَيَنْتَهِي بِهِ حَيْثُ أُمِرَ۔

بیہوش ہوکر سجدے میں گر پڑتے ہیں سب سے پہلے جبرئیل سر اٹھاتا ہے تو اللہ وحی کے ساتھ اس سے کلام کرتا ہے تو وہ جہاں حکم ہوتا ہے وہیں وحی پہنچا دیتا ہے۔

جبرئیل کی کیفیت تحصیلِ وحی غیبی معاملہ ہے۔ جس میں رائے کی گنجائش نہیں۔ لہذا یہی صورت سب سے ارجح ہے۔ مناہل العرفان جلد ۱ صفحہ ۴۰، اتقان جلد ۱ صفحہ ۴۳ میں جبرئیل کا اللہ تعالیٰ سے بطور تلقف روحانی یعنی روحانی القاء یا لوحِ محفوظ سے حاصل کرنا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

منزل الفاظِ قرآن: جس طرح ایک انسان نفسِ کلام ذہن میں رکھتا ہے۔ اور پھر الفاظ مرتبہ شکل میں اس کو ادا کرتا ہے، تو چاہے اس کو لاکھوں انسان پڑھ لیں وہ مرتبِ اوّل کا کلام سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً امرأ القیس کا قصیدہ یا حریری کی مقامات کوئی بھی پڑھے لیکن وہ تدوین اوّل کے اعتبار سے کلامِ امرأ القیس وحریری سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اللہ جل جلالہ نے اپنے نفسِ کلام کو الفاظِ قرآن کی شکل میں ظاہر فرمایا۔ پھر جبرئیل اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لاکھوں کروڑوں انسانوں نے اس کو پڑھا لیکن اس کو کلامِ الٰہی کہا جائے گا، نہ کلامِ جبرئیل یا محمد علیہ السلام۔ قرآن میں ہے: حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ اور بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ جس سے الفاظِ قرآن کا منجانب اللہ ہونا اور کلامِ الٰہی ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اگر مضمون کسی اور کا ہو مثلاً زید کا اور الفاظ مضمون کسی دوسرے کے ہوں، مثلاً عمرو کے، تو اس کو کلامِ زید نہیں کہا جائے گا بلکہ کلامِ عمرو کہا جائے گا۔ اس لئے قرآن کے الفاظ و معانی ہر دو منجانب اللہ ہیں اور قرآن اسی کا مرتب کردہ ہے۔ ہم اس سے زیادہ کلامی پیچیدگیوں میں پڑنا نہیں چاہتے کہ اس کا چنداں فائدہ نہیں۔ مناہل العرفان میں مندرجہ بالا مضمون موجود ہے۔

قرآن، سنّت اور حدیثِ قدسی کا فرق

سیوطی نے امام جوینی سے نقل کیا ہے کہ قرآن کے الفاظ اور معانی بتوسط جبرئیل دونو منزل من اللہ ہیں، اور حدیث میں مضمون من جانب اللہ ہے۔ اور عبارت اور الفاظ رسول اللہ کے ہیں [1]۔ حدیثِ قدسی وہ ہے جس کے الفاظ اللہ کی طرف سے ہوں، لیکن معجزہ نہ ہوں اور نہ ان کے الفاظ کی تلاوت میں وہ ثواب مرتب ہوتا ہو جو قرآن کے ایک ایک حرف پر مرتب ہوتا ہے، اور نہ نماز میں اس کی قرأت مامور ہے [2]۔ احقر کی رائے میں حدیثِ نبوی اور حدیثِ قدسی دونوں کے مضامین من اللہ

---

[1] اتقان جلد ۱ ص ۴۴ [2] مناہل العرفان فی علوم القرآن جلد ۱ ص ۴۴

ہیں لیکن حدیثِ نبوی کا انتساب الی اللہ معنوی ہے اور اس کا القاء فی الحقیقت من جانب اللہ ہے لیکن اس کا انتساب صریح الفاظ میں خدا کے حوالے سے بیان نہیں کیا گیا۔ لیکن حدیثِ قدسی میں امرِ الٰہی کے تحت صریح الفاظ میں خدا تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کیطرف انتساب بھی ضروری ہوتا ہے۔ اسی انتساب صریح کی وجہ سے حدیثِ قدسی کے الفاظ کی تبدیلی اور روایت بالمعنیٰ جائز نہیں، لیکن حدیثِ نبوی کی جائز ہے۔ بشرطیکہ اصلی معنوں میں فرق نہ آئے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیثِ قدسی کو حدیث کہا گیا ہے۔ جو الفاظِ نبوی کے لئے مختص ہے۔ لفظ قدسی کا اضافہ انتسابِ صریح کی وجہ سے کیا گیا ہے جس میں حدیثِ نبوی سے اس کی مزید خصوصیت اور اہمیت کا اظہار مقصود ہے۔ واللہ اعلم۔

نزولِ وحی کی قسمیں

وحی بتوسط ملک ہوگی یا بالذات - وحی ملکی کی تین قسمیں ہیں:

۱- وحی تصلصلی ۲- وحی تمثلی ۳- وحی روعی

وحی تصلصلی میں حقیقتِ جبرئیلیہ ملکیت پر برقرار رہ کر القاء وحی کرتی ہے، جس کو حدیثِ بخاری میں وھو اشدہ علیّ کہا گیا۔ بشریت اور ملکیت میں عدم تجانس کی وجہ سے بھی اس قسم میں شدت ہے اور حضور علیہ السلام کے عروج الی الملکیۃ کی وجہ سے بھی ہے کہ ذاتِ نبوی میں تصرف کیا گیا، جو موجبِ شدت ہے۔

دوم وحی تمثلی کہ جبرئیل انسانی صورت میں متمثل ہو کر القاء وحی کر دے۔ اس صورت میں جبرئیل نے ملکیت سے بشریت کیطرف تنزل کیا۔ یہ دونوں قسمیں اور اول قسم کا دوم سے اشد ہونا بخاری کی ابتداء میں مذکور ہیں اور عام قرآنی وحی ان دونوں صورتوں میں آئی ہے۔

تیسری قسم روعی ہے کہ جبرئیل قلبِ نبوی میں وحی کا القاء کر دے اور قوتِ سامعہ اور کان کو اس سے تعلق نہ ہو۔ (اخرجہ الحاکم)

یہ تین اقسام بالواسطہ وحی کی ہیں۔ بالذات وحی کی دو قسمیں ہیں۔ یا بیداری میں جیسے شبِ معراج میں اللہ کی طرف سے براہِ راست رسولِ کریم علیہ السلام کو وحی ہوتی یا خواب میں جیسے حدیث معاذ میں ہے۔ اَتَانِیْ رَبِّیْ فَقَالَ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی۔ یعنی خواب میں خدا میرے پاس آئے اور فرمایا کہ عالمِ بالا کے فرشتے کس چیز میں بحث کرتے ہیں۔ (اتقان جلد ۱ صفحہ ۵۰، ۱۳۱)

متصرف ویقظۃً (یعنی بیداری میں) کَمَا فِی الْوَحْیِ لَیْلَۃَ الْاِسْرَاءِ مِنْ اِیْجَابِ الصَّلٰوۃِ الْخَمْسِ وَخَوَاتِیْمِ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ۔

▬▬